مسئلہ تملیک اور زکوٰۃ سے متعلق بعض دوسرے مسائل

(اہل علم کے غور و فکر کے لیے)

از جناب مولانا امین صاحب اصلاحی

ترجمان القرآن بابت محرم ۱۳۷۴ھ میں خان محمد صاحب ربانی کا ایک مضمون بعنوان "حضرات علمائے کرام کی خدمت میں چند سوالات" شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں چند ایسے سوال اٹھائے گئے تھے جو ادائیگی زکوٰۃ کے لیے تملیک کو رکن یا شرط قرار دینے کے سبب سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان سوالوں کے جواب میں مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کے دو مکتوب ترجمان القرآن بابت جمادی الاولیٰ ۱۳۷۴ھ میں شائع ہوئے ہیں۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے اپنے مکاتیب میں ان اشکالات کا فقہ حنفی کی روشنی میں، جواب دینے کی کوشش کی ہے جو ربانی صاحب نے پیش کیے تھے۔ مجھے مولانا کے بعض پیش کردہ نتائج سے اختلاف ہے اس وجہ سے میں چاہتا ہوں کہ اپنا نقطۂ نظر بھی ان صفحات میں پیش کر دوں تاکہ مولانا اور دوسرے اہل علم ان پر غور کر سکیں۔ بحث کی سہولت کے لیے میں پہلے مولانا ظفر احمد صاحب کے خیالات حتی الامکان خود ان کے الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کروں گا اس کے بعد اپنی ناچیز معروضات پیش کروں گا۔

تملیک کے متعلق مولانا کا نقطۂ نظر یہ ہے:۔

"تملیک فقیر" زکوٰۃ کے لیے شرط ہی نہیں بلکہ رکن ہے، بلکہ زکوٰۃ کی حقیقت ہی "تملیک فقیر" ہے۔ زکوٰۃ میں تملیک کا ضروری ہونا متفق علیہ ہے۔ کسی امام کا اس میں اختلاف بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ امام شافعی کی طرف تو یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک انما الصدقات للفقراء میں لام ملک کے لیے ہے۔"

تملیک کو ادائیگی زکوٰۃ کی ایک بنیادی شرط مان لینے کے بعد جہاں بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں وہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر اموال زکوٰۃ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس منتقل کرنے کے مصارف بھی زکوٰۃ کی مد سے نہیں ادا کیے جا سکتے کیونکہ اس میں تملیک فقیر نہیں پائی

جاتی۔ جس کے معنی دوسرے الفاظ میں یہ ہوئے کہ زکوٰۃ کی چیزوں کو مد زکوٰۃ کے مصارف سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ اس کے دو جواب مولانا نے دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ :-

"جس زمانہ میں زکوٰۃ اسلامی حکومت کے ذریعہ سے وصول کی جاتی تھی اس کی یہ صورت نہ تھی کہ عامل تنہا ہر شخص کے مکان یا چراگاہ پر جاتا اور زکوٰۃ وصول کرتا ہو بلکہ اس کے ساتھ سپاہیوں کا ایک دستہ ہوتا تھا، وہی اس مقام کے خزانہ یا تحصیل میں زکوٰۃ کے مویشی اور اموال جمع کرتے تھے اور اس بستی کے غربا اسی جگہ جمع ہو جاتے اور ان پر زکوٰۃ تقسیم کر دی جاتی تھی۔ جب تک اس مقام پر فقراء موجود ہوتے دوسرے مقام پر زکوٰۃ منتقل نہ ہوتی تھی۔"

مولانا کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی کہ منتقل کرنے کے مصارف کا سوال پیدا ہو جس کھیت یا کھلیان یا چراگاہ سے زکوٰۃ وصول ہوئی وہیں غرباء و فقراء جمع ہو گئے اور تحصیل داروں نے ان کے اندر زکوٰۃ کے مال کو تقسیم کیا اور دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ دوسرا جواب مولانا نے یہ دیا ہے کہ :

"چونکہ ولایتِ عامہ کی وجہ سے امام فقراء کا وکیل ہوتا ہے اور عمال امام کے نائب ہوتے تھے اگر فقراء کی مصلحت سے زکوٰۃ کو منتقل کرنے کی ضرورت ہوتی تو امام اور اس کے عمال کو مصارفِ نقل بھی مالِ زکوٰۃ سے وصول کرنے کا حق تھا جیسا خود فقیر، مالِ زکوٰۃ پر قبضہ کر کے اپنے گھر لے جاتا تو مصارفِ نقل اسی مال سے نکال سکتا تھا . . . . . . امام یا مصدق کا مالِ زکوٰۃ پر قبضہ کرنا فقراء ہی کا قبضہ کرنا ہے کیونکہ وہ بوجہ ولایتِ عامہ کے فقرا کا وکیل ہے۔"

مولانا نے ولایتِ عامہ کا یہ حق صرف ایک ایسی اسلامی حکومت کے لیے تسلیم کیا ہے جو آئینِ اسلام کے مطابق اسلامی حکومت ہو۔ محض رسمی اور اسمی قسم کی مسلمان حکومتوں کے لیے مولانا یہ حق تسلیم نہیں کرتے کہ وہ ولایتِ عامہ کی مدعی بن کر مسلمانوں سے عشر و زکوٰۃ کا مطالبہ کر سکیں۔ مولانا کے اپنے الفاظ یہ ہیں :-

"مطالبۂ عشر و زکوٰۃ کا یہ حق اسی حکومتِ مسلمہ کو حاصل ہے جو آئینِ اسلام کے مطابق اسلامی حکومت ہو۔ ہر حکومت کو یہ حق حاصل نہیں جو کہ برائے نام ہی اسلامی حکومت ہو اور واقع میں اسلامی حکومت نہ ہو۔"

اس اصولی جواب کے بعد مولانا نے خود ہی خاص پاکستان کی حکومت سے متعلق بھی یہ بات صاف کر دی ہے کہ یہ وہ اسلامی حکومت نہیں ہے جو مسلمانوں سے عشر و زکوٰۃ کے مطالبے کی حق دار ہو۔ خود ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں:-

"یہاں سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ بڑا مقصد اسلامی سلطنت قائم کرنے سے امور دین کا انتظام، احکام شرعیہ کا انفاذ، نماز اور صدقات و زکوٰۃ کا نظم اور شریعت کے موافق مسلمانوں کے معاملات کا فیصلہ کرنا، جہاد اور سامانِ جہاد کا بندوبست کرنا ہے۔ اگر کسی سلطنت سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا تو وہ اسلامی سلطنت نہ ہو گی اگرچہ مسلمانوں کی سلطنت ہو۔ اور صدقات و زکوٰۃ وصول کرنے کا حق اسی سلطنت کو حاصل ہے جو اس مقصد کو پورا کرے جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے وہ نہ اس کو یہ حق حاصل نہیں ہو گا۔ پس جو لوگ اسلامی سلطنت میں سیاست اور مذہب کو الگ کرنا چاہتے ہیں وہ اسلامی سلطنت قائم نہیں کرنا چاہتے بلکہ یورپین طرز کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ ہندوستان کو تقسیم کر کے پاکستان۔۔۔۔"

اچھا اگر پاکستان کی حکومت اس بات کی حقدار نہیں ہے کہ یہاں کے مسلمانوں سے عشر و زکوٰۃ کا مطالبہ کر سکے تو کیا یہاں کے مذہبی اور دینی اداروں اور انجمنوں میں سے کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے عشر و زکوٰۃ کی تحصیل کر سکے؟ اس سوال کا جواب مولانا یہ دیتے ہیں:-

"عام اداروں کو ولایتِ عامہ حاصل نہیں ہے اس لیے ان کو فقراء مجہولین کا قائم مقام نہیں کہہ سکتے، صرف زکوٰۃ دینے والوں کا نائب کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ تو معلوم ہیں۔ پس ان کے قبضہ کو قبضۂ فقراء نہیں کہا جا سکتا۔ اور ان کے ہاتھ میں زکوٰۃ کی رقم پہنچنے سے زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا نہ ہو گی جب تک فقراء کے قبضہ میں نہ پہنچ جائے۔ اگر یہ ادارے یا ان کے عاملین زکوٰۃ میں سے سفر خرچ وغیرہ نکالیں گے زکوٰۃ پوری ادا نہ ہو گی۔ ادھوری ہو گی۔ پس جو ادارے زکوٰۃ کی تحصیل وصول کے لیے کھڑے ہوں ان کو ولایتِ عامہ حاصل کرنا چاہیے جس کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ حکومت کی طرف سے ان کو یہ حق دیا جائے، یا پھر عامۃ المسلمین بالاتفاق ان کو یہ حق دے دیں کیونکہ عامۃ المسلمین بھی حکومت کے قائم مقام ہو جاتے ہیں مگر عامۃ المسلمین کا کسی ادارہ پر اتفاق بہت دشوار ہے۔"

مولانا کے ان ارشادات کی روشنی میں زکوٰۃ کے مصارف اور اس کی وصول تحصیل سے متعلق جو حقائق سامنے

آتے ہیں وہ بالاجمال مندرجہ ذیل ہیں:-

۱- زکوٰۃ کی رقم سے غربا کی اجتماعی خدمت و بہبود کا کوئی چھوٹا یا بڑا کام نہیں کیا جا سکتا مثلاً آپ اس سے غریبوں کے محلہ میں کوئی مسجد نہیں بنا سکتے، ان کے لیے تعلیم دین کا کوئی ادارہ نہیں کھول سکتے، ان کی ذہنی اور فکری تربیت کے لیے کوئی اسلامی لائبریری نہیں قائم کر سکتے، ان کے مریضوں کے مفت علاج کے لیے کوئی شفاخانہ نہیں بنا سکتے، غریبوں کے کسی محلہ میں اگر کنواں نہیں ہے تو ان کے پانی پینے کے لیے آپ کنواں بھی نہیں بنوا سکتے، مسافروں کے لیے کوئی سرائے یا تالاب بھی نہیں بنا سکتے۔ الغرض اس قسم کا کوئی کام جو اجتماعی نوعیت رکھتا ہو، خواہ وہ سو فی صدی غریبوں ہی کے مفاد سے تعلق رکھتا ہو، آپ اس کو زکوٰۃ کی مد سے نہیں کر سکتے۔ کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے شرط ہے کہ کسی معین مستحق زکوٰۃ کو اس کا مالک بنا دیا جائے۔ مذکورہ صورتوں میں یہ شرط مفقود ہے، کیونکہ ان میں فائدہ بہت سے غریبوں کے درمیان مشترک ہو گیا ہے، اس وجہ سے تملیک نہیں پائی گئی۔

۲- آپ اس زکوٰۃ کی رقم سے کسی غریب کی لاش ٹھکانے لگانے کا انتظام بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ غریب مر جانے کے سبب سے اس قابل تو رہا نہیں کہ اس مال کو اپنے قبضہ میں لے کر اپنے کفن اور دوسرے سامان تجہیز و تدفین کا انتظام کر سکے، اور تملیک فقیر کی شرط جو ادائیگی زکوٰۃ کے لیے رکن کی حیثیت رکھتی ہے پوری ہو سکے، اس وجہ سے زکوٰۃ کی مد سے اس کی تجہیز و تکفین نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح آپ کسی مردہ غریب کا قرضہ بھی زکوٰۃ کی رقم سے ادا نہیں کر سکتے اور نہ ہی کسی غلام کو خرید کر آزاد کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ہر چند یہ کام غریبوں کی بڑی خدمت کے ہیں لیکن تملیک فقیر جو ادائے زکوٰۃ کے لیے شرط ضروری ہے ان دونوں صورتوں میں بھی مفقود ہے[۱]۔

۳- کوئی پبلک انجمن یا ادارہ خواہ اس کی دینی حیثیت کتنی ہی مسلم کیوں نہ ہو تحصیل زکوٰۃ کا مجاز نہیں ہے۔ اگر کوئی دینی ادارہ یا انجمن اس کام کو کرے تو وہ وصول کردہ زکوٰۃ میں سے ایک پیسہ بھی اس کی وصولی کے مصارف پر خرچ نہیں کر سکتا ورنہ اس کے بقدر زکوٰۃ ادا کرنے والوں کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اس کے لیے جائز صورت صرف یہ ہے کہ ایک طرف وہ زکوٰۃ دینے والوں سے زکوٰۃ وصول کرے دوسری طرف غریبوں کو اس کا مالک بناتا جائے۔ یا پھر اگر وہ اس رقم کو غریبوں کی تعلیم یا دوسری ضروریات پر اجتماعی طریقے سے خرچ کرنا چاہے تو پھر اس حیلہ سے کام لے جو عموماً ہمارے مدرسوں میں کیا جاتا ہے، یعنی پہلے زکوٰۃ کسی غریب

[۱] مؤخر الذکر چیز کے ناجائز ہونے کی ایک اور وجہ بھی بیان (۳۸) کی جاتی ہے جس پر ہم آگے بحث کریں گے۔

طالب علم کو دلوائے اور پھر اس طالب علم پر دباؤ ڈال کر اس سے مدرسے یا انجمن کے فنڈ میں وہی رقم بطور عطیہ وصول کر لے۔

۴- دینی انجمنوں کیلئے اصلی جائز راستہ صرف یہ ہے کہ وہ حکومت سے یا عامۃ مسلمین سے غریبوں کی ولایت عامہ کا حق حاصل کریں۔ لیکن افسوس ہے کہ پاکستان میں اس چیز کے حاصل کرنے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے کیونکہ پاکستان کی حکومت کو، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے خود ولایتِ عامہ حاصل نہیں ہے، تو جو چیز اس کو خود حاصل نہیں ہے وہ چیز وہ کسی دوسرے کو کس طرح بخش سکتی ہے؟ - رہے جمہور مسلمین تو ان کے بارے میں خود مولانا ہی نے بالکل صحیح فرما دیا ہے کہ ان کا کسی ادارہ پر اتفاق بہت دشوار ہے۔

۵- پاکستان میں ادائیگی زکوٰۃ کی معیاری شکل صرف یہ ہے کہ ہر صاحبِ زکوٰۃ اپنی زکوٰۃ خود نکالے اور خود کسی مستحق کو تلاش کر کے اس کو اس کا مالک بنا دے۔

ان ساری باتوں کی بنیاد فقہ حنفی پر بتائی جاتی ہے اور فقہ حنفی کے متعلق عام تصور، اور خود ہمارا تصور بھی، یہ ہے کہ وہ اجتماعی اور سیاسی پہلو سے دوسری فقہوں کے مقابل میں عقل سے قریب تر ہے۔ لیکن زکوٰۃ سے متعلق اس کے ترجمانوں نے یہ تصورات جو دیئے ہیں میں نہیں سمجھتا کہ ان پر کسی شخص کا قلب بھی پوری طرح مطمئن ہو سکتا ہے۔ زکوٰۃ اسلامی معاشرے کے لیے ریڑھ کی ہڈی ہے۔ لیکن اگر یہ واقعہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے کوئی اجتماعی نوعیت کا کام نہیں کیا جا سکتا اور غریبوں کی مجموعی بہبود کی اسکیمیں اس سے بروئے کار نہیں لائی جا سکتیں بلکہ ختم کی دیگ کی طرح اس کا وہیں تقسیم کر دیا جانا لازمی ہے جہاں یہ پکائی گئی ہے تو اس کی افادیت کم از کم موجودہ زمانہ کے اقتصادی ماحول میں تو بمنزلہ صفر ہو کے رہ جاتی ہے۔ پھر ایک غور و فکر کرنے والا آدمی یہ سوچ کے بھی حیران رہ جاتا ہے کہ زکوٰۃ کے ذریعہ سے نیکی اور خدمتِ خلق کے وہ کام بھی انجام نہیں دیئے جا سکتے جن میں سے بعض کا ہم نے اوپر حوالہ دیا ہے۔ یہاں تک کہ کسی غریب کی تجہیز و تکفین بھی اس عمل میں نہیں آ سکتی۔ آگے چل کر اس سے زیادہ حیران کن صورتِ حال یہ سامنے آتی ہے کہ ایک طرف تو اسلام زکوٰۃ کے معاملہ میں اجتماعیت پر اس درجہ زور دیتا ہے کہ ایک اسلامی حکومت میں کم از کم اموالِ ظاہرہ کی حد تک کسی شخص کا انفرادی طور پر اپنی زکوٰۃ ادا کرنا سرے سے کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ یا دوسری طرف اسلامی حکومت موجود نہ ہونے کی صورت میں یہ حال ہو جائے کہ ہر شخص کے لیے انفرادی طور پر اپنی زکوٰۃ ادا کرنا ہی ایک معیاری

طریقہ رہ جائے اور اعلیٰ کے موجود نہ ہونے کے غصہ میں اعلیٰ سے قریب تر شکلوں کا اہتمام بھی چھوڑ دیا جائے۔

یہ باتیں ایک عام آدمی کے ذہن میں سخت تشویش اور الجھن پیدا کرتی ہیں۔ بالخصوص جب وہ یہ معلوم کرتا ہے کہ صدقات کی رقوم کو کسی عمدہ اجتماعی کام پر صرف کرنے کا اس کے سوا کوئی راستہ ہی نہیں ہے کہ ایک نہایت بدنما حیلے کی آڑلی جائے تو خود شریعت کے متعلق اس کے دل میں طرح طرح کے شبہات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اس وجہ سے نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کی پوری تحقیق کی جائے۔ اگر فی الواقع دین میں اس کی کوئی بنیاد ہے تو وہ بنیاد معلوم کی جائے جس پر یہ پوری عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ اور اگر یہ ایک بے بنیاد چیز ہے تو اس کی بے حقیقتی واضح کر دی جائے تاکہ بلا وجہ شریعت کے متعلق کسی کے دل میں بدگمانی پیدا نہ ہو۔

تملیک شخصی کے نظریہ کی حقیقت زکوٰۃ کے مصرف اور اس کی وصولی سے متعلق یہ سارے نظریات درحقیقت فرع ہیں "تملیکِ فقیر" یا بالفاظ دیگر "تملیک شخصی" کے نظریہ کی۔ ادائیگی زکوٰۃ کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ کسی محتاج اور غریب کو اس کا مالک بنایا جائے، اس قسم کی تملیک کے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ اس چیز کو ادائیگی زکوٰۃ کی ضروری شرط بلکہ رکن زکوٰۃ تسلیم کر لینے سے وہ نتائج آپ سے آپ پیدا ہوتے ہیں جن کا ہم نے اوپر حوالہ دیا ہے۔ اس وجہ سے سب سے مقدم یہ ہے کہ معلوم کیا جائے کہ یہ نظریہ کس دلیل شرعی پر قائم ہے۔

اس میں تو شبہ نہیں ہے کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں تملیک کا ذکر آتا ہے اور اسی کی بنیاد پر وہ مسائل پیدا ہوئے ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ لیکن مجھے تلاش کے باوجود کہیں اس مسئلہ پر کوئی ایسی بحث نہیں ملی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ اس کا ماخذ کتاب و سنت کے اندر کیا ہے، کن تقاضوں سے یہ وجود میں آیا ہے اور کب سے اس نے فقہ حنفی کے اندر ایک مُسلّمہ کی حیثیت حاصل کر لی۔ یہاں تک کہ اس کے متعلق اجماع تک کا دعویٰ کیا جانے لگا۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ شریعت میں کسی چیز کو کسی چیز کا رکن قرار دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کتاب اور سنت کے اندر اس کی کوئی اصل ہو۔ بغیر اس قسم کی کسی اصل کے کسی چیز کو کسی چیز کا رکن قرار دے دینا دین میں ایک اضافہ ہے جس کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا تملیک کے حق میں اس قسم کی کوئی دلیل قرآن یا حدیث سے ملتی ہے؟ اس سوال کے جواب میں، میں صاحب شرح العنایہ علی الھدایہ کا ایک نوٹ نقل کرتا ہوں جو انہوں نے صاحب ہدایہ کے اس دعویٰ کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تملیک

رکن زکوٰۃ ہے۔ اس نوٹ سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ یہ نظریہ کتاب و سنت کی کسی دلیل کے اوپر مبنی ہے یا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ صاحب شرح العنایہ فرماتے ہیں:۔

لان الاصل فی دفع الزکوٰۃ تملیك فقیر مسلم غیر هاشمی ولا مولاہ جزءً من المال مع قطع منفعة المدفوع عن نفسه مقرونا بالنیة۔ ولقائل ان یقول قولکم التملیك رکن دعوی مجردة اذ لیس فی الادلة النقلیة المنقولة فی هذا الباب ما یدل علی ذالك خلا قوله تعالیٰ ... إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ ... و انتم جعلتم اللام للعاقبة دون التملیك ۔ والجواب ان معنی قولهم للعاقبة ان المقبوض یصیر ملکا لهم فی العاقبة فهم مصارف ابتداءً لا مستحقون ثم یحصل لهم الملك فی العاقبة بدلالة اللام فلم تبق دعوی مجردة ۔

(حاشیہ فتح القدیر۔ ج ثانی ص ۲۰)

کیونکہ ادائیگی زکوٰۃ کے لیے اصلی چیز یہ ہے کہ آدمی اپنے مال کے کچھ حصہ کا کسی مسلمان محتاج کو، جو ہاشمی یا کسی ہاشمی کا آزاد کردہ غلام نہ ہو، ادائیگی زکوٰۃ کی نیت کے ساتھ، اس طرح مالک بنائے کہ خود اپنی کوئی غرض اس ادا کردہ مال کے ساتھ وابستہ نہ رکھے۔ ایک معترض اس پر یہ کہہ سکتا ہے کہ تمہارا یہ کہنا کہ تملیک ادائیگی زکوٰۃ کے لیے رکن کی حیثیت رکھتی ہے محض ایک خالی خولی دعویٰ ہے کیونکہ زکوٰۃ کے سلسلہ میں جو نقلی دلیلیں وارد ہیں ان میں کوئی چیز ایسی نہیں ملتی جس سے اس دعویٰ کا ثبوت مہیا ہوتا ہو۔ سوائے اس کے کہ اس باب میں جو چیز دلیل کی حیثیت رکھتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ انما الصدقات للفقراء لیکن اس کا حال بھی یہ ہے کہ تم (یعنی حنفیہ) للفقراء کے لام کو عاقبت کے معنی میں لیتے ہو، تملیک کے معنی میں نہیں لیتے۔ جواب اس اعتراض کا یہ ہے کہ لام کو جو ہم عاقبت کے معنی میں لیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مقبوضہ مال آخر کار ان کی ملک بن جائے گا۔ پس اپنی ابتدائی حیثیت میں تو یہاں فقراء اور مساکین کا ذکر مصارف زکوٰۃ بیان کرنے کے پہلو سے ہوا ہے، مستحقین کی حیثیت سے نہیں ہوا ہے لیکن لام اس بات پر دلیل ہے کہ بالآخر ان کو ملکیت حاصل

ہو جائے گی پس تملیک کا دعویٰ محض دعویٰ ہی دعویٰ نہیں رہا۔

اس نوٹ کو بغور پڑھیے۔ یہ ایک ایسے بلند مرتبہ حنفی عالم کے قلم سے نکلا ہے جنہوں نے ہدایہ جیسی بلند پایہ کتاب پر حاشیہ لکھا ہے۔ ان کا اپنا اعتراف یہ ہے کہ تملیک کے رکن زکوٰۃ ہونے کی کوئی نقلی دلیل موجود نہیں ہے۔ لے دے کر اگر کسی چیز کو دلیل کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے تو وہ ایک لام ہے جو انما الصدقات للفقراء والی آیت میں لفظ فقراء پر داخل ہے۔ اس لام کا بھی حال یہ ہے کہ احناف اس کو غالباً شوافع کے استدلال سے بچنے کے لیے تملیک یا استحقاق کے معنی میں نہیں لیتے بلکہ عاقبت کے معنی میں لیتے ہیں۔[1] اول تو اس لام کو عاقبت کے معنی میں لینے کا کوئی تک نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس معنی میں اس کو لے بھی تو بہر حال اس سے تملیک کا مفہوم تو کسی طرح بھی نہیں پیدا کیا جا سکتا۔ اگر بہت تکلف سے کام لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں لام عاقبت لینے کے بعد بھی یہ آیت تملیک کے مفہوم کے خلاف نہیں جاتی اور یہی ان بزرگ عالم نے فرمایا بھی ہے۔ لیکن اتنی بات کچھ بھی مفید مطلب نہیں ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ تملیک کے رکن زکوٰۃ ہونے کی کتاب و سنت سے کیا دلیل ہے۔ اگر اس کی کوئی دلیل موجود ہے تو ہم بڑے شوق سے یہ مان لیں گے کہ اس لام کو عاقبت کے معنی میں لینے سے بھی کوئی خاص حرج واقع نہیں ہوتا۔ لیکن اگر اصل دعویٰ ثابت نہ ہو تو محض لام عاقبت کی اس توجیہ سے اصل بحث کو کیا فائدہ پہنچے گا؟ تملیک کا دعویٰ تو اس توجیہ کے بعد بھی محض دعویٰ ہی دعویٰ رہا۔

لام تملیک سے استدلال کی حقیقت | حنفیہ اگرچہ انما الصدقات للفقراء والی آیت میں لام کو تملیک کے معنی میں نہیں لیتے اس وجہ سے اس سے ان کے ہاں تملیک پر استدلال کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، لیکن یہ لام بہر حال ایک نیا ئے بحث بن سکتا ہے اور اس سے ایک شخص تملیک پر استدلال کر سکتا ہے جیسا کہ امام شافعی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اس سے تملیک پر استدلال کیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ لام تملیک کے مفہوم کے لیے ایسا نص قطعی ہے کہ تملیک کو ادائے زکوٰۃ کے لیے ایک رکن کی حیثیت دے دی جائے جس کے بغیر زکوٰۃ ادا ہی نہ ہو سکے اور اس کے نتیجہ میں وہ سارے مسائل پیدا کر ڈالے جائیں جن کا صدر مضمون میں ہم نے

---

[1] اس لام پر مفصل بحث آگے آرہی ہے وہیں اس کے بارے میں احناف اور دوسرے ائمہ کے مذاہب پر ہم روشنی ڈالیں گے۔

حوالہ دیا ہے اور جن کے سبب سے زکوٰۃ جیسی اہم چیز کی ساری احادیث بالکل ختم ہو کے رہ جاتی ہے۔

میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اس لام کو تملیک کے مفہوم کے لیے خاص کر دینا ایک نہایت کمزور بات ہے۔ عربی زبان میں یہ حرف کچھ ایک ہی معنی کے لیے نہیں آتا کہ اس سے حاصل شدہ مفہوم کو شرط اور رکن کا مرتبہ دے دیا جائے۔ حروف کی بحث میں آٹھویں صدی ہجری کے مشہور نحوی شیخ جمال الدین ابن ہشام انصاری کی مغنی اللبیب ایک مستند ترین کتاب ہے۔ اس فاضل نے غالباً مکہ میں بیٹھ کر یہ کتاب لکھی ہی اس غرض سے تھی کہ یہ ..... قرآن و حدیث کی نحوی مشکلات کے حل کرنے میں رہنمائی کر سکے۔ انہوں نے لام کے متعلق یہ لکھا ہے کہ یہ ۲۲ معنوں کے لیے آتا ہے۔ ان تمام معانی کی تفصیل نقل کرنا تو یہاں مشکل ہے اور غیر ضروری بھی، لیکن اس کے چند معانی کتاب مذکور سے ہم یہاں درج کرتے ہیں تاکہ اس کی وسعت کا اندازہ ہو سکے اور جو لوگ اس کو تملیک کے معنی کے لیے ایک نص قطعی بتا رہے ہیں ان کی غلطی واضح ہو سکے۔ علامہ موصوف نے اس حرف کے جو معانی بتلائے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ استحقاق کے معنی کے لیے مثلاً الحمد للہ (شکر حقیقی کا حقدار اللہ ہی ہے) ویل للمطففین (ناپ تول میں کمی کرنے والے ویل کے مستحق ہیں)۔

۲۔ اختصاص کے معنی کے لیے، مثلاً الجنۃ للمؤمنین (جنت اہل ایمان کے لیے خاص ہے)

۳۔ ملکیت کے مفہوم کے لیے، مثلاً لہ ما فی السموات وما فی الارض (اسی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے)

۴۔ تملیک کے معنی کے لیے، مثلاً وھبت لزید دیناراً (میں نے زید کو ایک دینار ہبہ کر دیا)۔

۵۔ تملیک سے ملتے جلتے مفہوم کے لیے، مثلاً جعل لکم من انفسکم ازواجاً (اور تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے بیویاں بنائیں)۔

اوپر ضمناً لام عاقبت بھی زیر بحث آ چکا ہے اس وجہ سے اس کی نوعیت بھی معلوم کر لیجیے۔ سترھویں نمبر پر اس کا ذکر اس طرح آتا ہے "لام صیرورۃ جس کو لام عاقبت اور لام مآل بھی کہتے ہیں، مثلاً فالتقطہ آل فرعون لیکون لھم عدوا وحزنا (اور اس کو (موسیٰ کو) فرعون کے گھر والوں نے دریا سے نکال لیا تاکہ وہ

مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ○ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا
مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ
سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى
اللّٰهِ رَاغِبُونَ ○ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ
وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ
قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ
اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ
عَلِيمٌ حَكِيمٌ ○

(التوبہ: ۵۸-۶۰)

انکی خواہش کے بقدر دیا جائے تو راضی رہتے ہیں اور اگر نہ دیا جائے تو بگڑ بیٹھتے ہیں حالانکہ اگر وہ اس پر قناعت کرتے جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کو دیا اور کہتے کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے، اللہ اپنے فضل سے ہمیں نوازیگا اور اس کا رسول بھی ہمیں عطا فرمائیگا، ہم تو اللہ ہی سے لو لگائے ہوئے ہیں، تو یہ بات ان کے حق میں بہتر ہوتی۔ خیرات کا مال تو بس فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں کا اور ان کارکنوں کا جو مالِ خیرات کے وصول کرنے پر تعینات ہیں اور ان لوگوں کا جن کے دلوں کا پرچانا منظور ہے۔ نیز گردنیں چھڑانے میں اور زیر باروں کے قرضہ میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کی ضروریات میں اس کو خرچ کیا جائے۔ یہ اللہ کا ٹھہرایا ہوا فریضہ ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

دیکھیے، یہاں اوپر والی آیت میں ذکر ان منافقین کا تھا جن کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسنِ ظن اور سوءِ ظن تمام تر اغراض پر مبنی تھا۔ اگر خیرات کے مال میں سے ان کی خواہش کے بقدر انہیں مل جاتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب خوب تعریفیں کرتے اور خواہش کے بقدر نہ ملتا تو آپ کو متہم کرنے سے بھی باز نہ رہتے۔ آپ پر بے جا جانبداری اور ناروا پاسداری کا الزام لگاتے اور طرح طرح کی وسوسہ انداز باتیں کرتے۔ غور کیجیے کہ اس سیاق میں بتانے کی بات کیا ہو سکتی ہے۔ یہ کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے کسی فقیر کو اس کا مالک بنانا ضروری ہے یا یہ کہ زکوٰۃ و خیرات کی رقموں کے اصلی حقدار اور مستحق فلاں فلاں قسم کے لوگ ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس سیاق میں بتانے کی بات یہ دوسری ہی ہو سکتی ہے نہ کہ پہلی۔ چنانچہ مفسرین میں سے جن لوگوں کی نظر سیاق و سباق پر رہتی ہے انہوں نے آیت کی یہی تاویل کی بھی ہے۔ صاحب کشاف إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

قصر لجنس الصدقات علی الاصناف المعدودۃ وانہا مختصۃ بہا لا تتجاوزہا

یہاں زکوٰۃ و صدقات کو مذکورہ اقسام پر محدود کر دیا گیا ہے اور یہ کہ یہ انہی کے لیے خاص ہے۔ دوسروں کی طرف

الی غیرھا کانہ قیل انما ھی لھم لا لغیرھم ونحوہ قولک انما الخلافۃ لقریش ترید لا تتعداھم ولا تکون لغیرھم۔	یہ چیز منتقل نہیں ہو سکتی۔ گویا یہ بات کہی گئی کہ یہ چیز انہی کے لیے ہے ان کے ماسوا لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ تم کہو کہ انما الخلافۃ لقریش خلافت تو بس قریش کے لیے ہے، یعنی یہ ان کے سوا دوسروں کا حق نہیں ہے۔

پس لام یہاں جس چیز کو ظاہر کر رہا ہے وہ صرف خیرات وصدقات کا مذکورہ اصناف کے لیے خاص ہونا ظاہر کر رہا ہے، نہ تملیک کے معاملہ سے اس کو کوئی تعلق ہے اور نہ اس مسئلہ سے اس کو کوئی واسطہ ہے کہ یہ تمام اصناف بیک وقت اس کی حقدار ہیں یا ان میں سے مصلحت کے تحت کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دی جا سکتی ہے یا ان میں سے کسی ایک ہی کو اس کا مصرف بنایا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد آیت کی اندرونی تالیف پر غور کر کے دیکھیے کہ خود اس کے مختلف اجزاء کی باہمی مناسبت کا تقاضا کیا ہے۔ آیت کے اندر، جیسا کہ بالکل واضح ہے، آٹھ اصناف کا بحیثیت مصارف خیر کے ذکر ہے۔ جن میں سے ابتدائی چار کا ذکر لام کے تحت ہے اور چار کا ذکر فی کے تحت۔ ظاہر ہے کہ کلام میں یہاں کوئی ایسی ہی تقدیر ماننا مناسب ہوگا جو لام کے ساتھ بھی مربوط ہو سکے اور فی کے ساتھ بھی ہم آہنگ ہو سکے۔ اگر لام کو تملیک کے معنی میں لیجیے تو آیت کا ابتدائی حصہ اس کے آخری حصہ سے بالکل ہی بے ربط ہو کے رہ جائے گا کیونکہ فی میں بہرحال تملیک کا کوئی مفہوم نہیں پایا جاتا۔ اگر اس کے اندر پایا جاتا ہے تو افادیت اور خدمت ومصلحت کا مفہوم پایا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے ما کان العبد فی عون اخیہ (جب تک کہ ایک مسلمان اپنے بھائی کے کام میں یا اس کے مصالح کی خدمت میں رہتا ہے)۔ پس آیت کے دونوں حصوں کی ہم آہنگی کا اقتضا یہ ہے کہ یہاں لام کو استحقاق یا انتفاع کے مفہوم میں لیا جائے تاکہ ایک ہی تقدیر کے تحت پوری آیت کی تاویل ہو سکے۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا بلکہ لام میں تملیک کا مفہوم لیا گیا تو آخری چار اصناف کے ساتھ تملیکیت کا مفہوم جوڑنے کے لیے کلام کی وسعت اور اس کی بلاغت کو بالکل ذبح کر دینا پڑے گا جیسا کہ فی الواقع کیا بھی گیا ہے اور جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اس ادبی نکتہ کی طرف ابن منیر نے کشاف کے

حاشیہ الانتصاف میں توجیہ دلائی ہے :-

فاما ان یکون التقدیر انما الصدقات مصروفة للفقراء کقول مالک او مملوکة کقول الشافعی لکن الاول متعین لانہ تقدیر یکتفی بہ فی الحرفین۔

(الانتصاف حاشیہ کشاف لابن منیر)

انما الصدقات للفقراء میں تقدیر کلام یا تو یہ ہوگی کہ صدقات فقراء کے لیے صرف کیے جائیں گے جیسا کہ امام مالک کہتے ہیں۔ یا یہ ہوگی کہ صدقات فقراء کی ملکیت ہیں جیسا کہ امام شافعی کا قول ہے۔ لیکن یہاں پہلی تقدیر متعین ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں حرفوں (ل اور فی) کے ساتھ یکساں طور پر ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔

تملیک کی بعض دوسری دلیلیں اس لام کے علاوہ مجھے فقہ کی مشہور و متداول کتابوں میں تملیک کے رکن زکوٰۃ ہونے کی کوئی دلیل باوجود تلاش کے نہیں ملی اور اگر ملی بھی ہے تو اس کا تملیک کی دلیل ہونا کم از کم اس عاجز پر کسی پہلو سے بھی واضح نہیں ہو سکا۔ تاہم چونکہ اسی طرح کی بعض مبہم چیزوں کو بطور دلیل پیش کیا گیا ہے اس وجہ سے میں ان پر بھی ایک تنقیدی نظر ڈالنا چاہتا ہوں۔

مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے بدائع الصنائع کے حوالہ سے تملیک کی مندرجہ ذیل دلیلیں اپنے مضمون میں نقل فرمائی ہیں۔

وقد امر اللہ تعالی الملاک بایتاء الزکوٰۃ بقولہ عزوجل وآتوا الزکوٰۃ والایتاء ھو التملیک ولذا سمی اللہ تعالی الزکوٰۃ صدقة بقولہ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ والتصدق تملیک

اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم وآتوا الزکوٰۃ کے ذریعے مالکین نصاب کو زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے اور ایتاء تملیک ہی ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا نام صدقہ رکھا ہے ارشاد ہے انما الصدقات للفقراء اور تصدق وہی تملیک ہے۔

دوسری جگہ ہے :-

واما رکنہ فھو التملیک لقولہ تعالی

رہا زکوٰۃ کا رکن تو وہ تملیک ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے

وَاٰتُوا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ والايتاء هو التمليك۔ (بدائع الصنائع۔ ج ۲ ۶۵)	فرمایا ہے واٰتوا حقه یوم حصادہ (اور اس کی کٹائی کے وقت اس کا حق دو) یہاں ایتاء سے مقصود ہی تملیک ہے۔

تملیک کی تائید میں جن نصوص کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ یہ ہیں۔

واما النص فقوله تعالیٰ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وقوله عزوجل وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ والاضافة بحرف اللام تقتضی الاختصاص بجهة الملك اذا كان المضاف اليه من اهل الملك۔ (بدائع۔ ج ۲ ص ۴۰۵)	رہا تملیک کے ثبوت میں نص تو اللہ تعالیٰ کا قول انما الصدقات للفقراء (خیرات کا مال تو بس غریبوں کے لیے ہے) ہے۔ اور دوسری آیت ہے وفی اموالهم حق معلوم (اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کے لیے ایک متعین حق ہے) حرف لام کے ذریعے سے جب اضافت ہو تو وہ ملکیت کے پہلو سے اختصاص کو چاہتی ہے بشرطیکہ مضاف الیہ اہل ملک میں سے ہو۔

بس یہی دلیلیں ہیں جو تملیک کی تائید میں فقہ کی مختلف کتابوں میں دہرا دہرا کر پیش کی گئی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ 'ایتاء' اور 'تصدق' کے الفاظ کی حقیقت ہی تملیک ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ للفقراء اور للسائل والمحروم میں جو لام ہے وہ اختصاص بلک کا مقتضی ہے اگر مضاف الیہ اہل بلک میں سے ہو۔

جہاں تک پہلی دلیل کا تعلق ہے یہ گذارش ہے کہ اس میں تو شبہ نہیں کہ 'ایتاء' اور 'تصدق' کے الفاظ میں بعض جگہ تملیک کا مفہوم بھی شامل ہو جاتا ہے لیکن اس میں بہت کچھ دخل قرینہ اور سیاق و سباق کو ہوتا ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ ان الفاظ ہی کے اندر تملیک کا مفہوم داخل ہو اور جب یہ بولے جائیں تو تملیک کا مفہوم ان کے اندر سے آپ ہی آپ نکل آئے۔ اگر ایسا ہوتا تب تو بلاشبہ ان کو تملیک کے ثبوت میں بطور نص کے پیش کیا

جا سکتا تھا، لیکن یہ ایک بالکل واضح حقیقت ہے کہ ایسا نہیں ہے ورنہ ہمیں اٰتینا ھم الکتاب (ہم نے ان کو کتاب دی) اور اٰتینا داؤد زبورا (اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی) میں بھی تملیک کا مفہوم لینا پڑیگا حالانکہ ان میں اور اس طرح کے بے شمار استعمالات میں تملیک کے مفہوم کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے پس دیکھنا یہ ہے کہ جہاں جہاں قرآن یا حدیث میں یہ الفاظ[1] ادائے زکوٰۃ و خیرات کے لیے بولے گئے ہیں وہاں بے تکلف تملیک کی طرف ذہن جاتا ہے یا نہیں۔ میں نہایت ادب کے ساتھ عرض کرونگا کہ قرآن میں جہاں کہیں بھی اٰتوا الزکوٰۃ یا تصدقوا وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں وہاں تنہا در مفہوم ان الفاظ کا صرف یہی ہے کہ زکوٰۃ دو اور صدقہ دو۔ سارا زور صدقہ اور زکوٰۃ ادا کرنے پر ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ یہ ادائیگی تملیک فقیر کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں۔ یہ چیز اٰتوا اور تصدقوا کے الفاظ سے نہیں نکلتی۔ اگر اس کی کوئی اور دلیل ہو تو اس پر غور کیا جا سکتا ہے، لیکن محض اٰتوا اور تصدقوا کے سہارے پر تملیک کو ادائیگی زکوٰۃ کا رکن نہیں قرار دیا جا سکتا

چند مثالیں میں قرآن سے پیش کرتا ہوں ان کو ملاحظہ فرمائیے۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَھُمْ (توبہ - ۵)
پس اگر وہ توبہ کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ (حج - ۴۱)
جن کا حال یہ ہے کہ اگر ہم ملک میں ان کو اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کرینگے اور زکوٰۃ دیں گے۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُھُمْ وَجِلَۃٌ (مومنون - ۶۰)
اور جن کا حال یہ ہے کہ وہ جو کچھ خدا کی راہ میں دیتے ہیں اس کو خدا سے ڈرتے ہوئے دیتے ہیں۔

یہ چند آیتیں ہم نے بغیر کسی انتخاب کے نقل کر دی ہیں ان کو خالی الذہن ہو کر پڑھیے اور پھر غور کیجیے کہ ان میں سارا زور زکوٰۃ کے ادا کرنے کے مفہوم پر ہے یا تملیکِ فقیر کے وجوب پر؟ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد ان سے تعرض نہ کیا جائے یا یہ بتانا چاہتا ہے کہ جب تک یہ تملیک فقیر نہ کر دیں ان کا پیچھا نہ چھوڑا جائے؟ اسی طرح تیسری آیت پر نگاہ ڈالیے اس میں ایتاء کا لفظ موجود ہے لیکن اس سے مقصود ان لوگوں کی انفاق فی سبیل اللہ کی خصلت کا اظہار ہے یا اس بات کا اظہار کہ یہ لوگ اللہ سے ڈرتے ہوئے تملیک فقیر کیا کرتے ہیں؟

اب آیئے دو آیتیں تصدق سے متعلق بھی ملاحظہ فرمائیے:

[1] یہ لفظ متعدد جگہ قرآن میں تملیک اجتماعی کے لیے بھی استعمال (۴۹) ہوا ہے۔

فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (منافقین) پس میں صدقہ کرتا اور نیکو کاروں میں سے ہوتا۔

فرمائیے اس کا مطلب یہ ہے کہ میں مختلف طریقوں سے اللہ کی راہ میں اور غربا کی بہبود کے کاموں میں فیاضی کے ساتھ اپنا مال خرچ کرتا یا یہ ہے کہ میں تملیک فقیر کیا کرتا؟

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ (توبہ - ۷۵) ان میں سے وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر اللہ نے ہم کو اپنے فضل سے نوازا تو ہم صدقہ کیا کریں گے۔

فرمائیے کہ اس قول کے قائلین کے ذہن میں یہ مضمون تھا کہ اگر ہمیں مال ملا تو ہم تملیک فقیر کیا کریں گے۔ یا یہ مقصد تھا کہ اگر ہم کو مال ملا تو ہم اللہ کے راستے میں مختلف طریقوں سے خرچ کریں گے قطع نظر اس سے کہ تملیک ہو یا نہ ہو۔

ان مثالوں کے ذکر سے ہمارا مقصد محض اس حقیقت کو ظاہر کرنا ہے کہ "ایتاء" یا "تصدق" کے الفاظ تملیک کے معنی یا مفہوم کے لیے ایسے قطعی نہیں ہیں کہ آپ ان کو تملیک کے ثبوت میں نص کی حیثیت سے پیش کریں۔ ان سے اصلی چیز جو ظاہر ہوتی ہے وہ دینا یا خرچ کرنا ہے۔ یہ دینا اور خرچ کرنا تملیک کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور بغیر اس کے بھی ہو سکتا ہے۔ تملیک پر اس قدر اصرار اور وہ بھی تملیک کی ایک خاص نوعیت پر کہ اس کے بغیر زکوٰۃ ادا ہی نہ ہو سکے۔ یہاں تک کہ کوئی شخص زکوٰۃ کے پیسوں سے کسی غریب میت کے لیے کفن بھی نہ خرید سکے، کسی غریب مردہ کا قرض بھی ادا نہ کر سکے، میرے نزدیک ایک بالکل بے حقیقت بات ہے۔

دوسری دلیل میں بنائے استدلال تمام تر لام پر قائم ہے جس کی پوری حقیقت ہم واضح کر چکے ہیں۔ البتہ یہ پہلو اس میں نیا ہے کہ لام کو تملیک کے بجائے اختصاص کے مفہوم میں لے کر اس سے اختصاص ملک کا مضمون نکالا گیا ہے اور یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اگر اضافت لام کے ذریعہ سے ہو اور مضاف الیہ اہلِ ملک میں سے ہو تو وہ اختصاص ملک پر دلیل ہے۔ میرے نزدیک یہ دعویٰ بھی بے بنیاد ہے ہم الفرس للراکب (گھوڑا سوار کے لیے ہے) اور المنبر للخطیب (منبر خطیب کے لیے ہے) بولتے ہیں۔ ان میں اضافت بھی لام کے ذریعہ سے ہے اور مضاف الیہ بھی دونوں جملوں میں اہلِ ملک میں سے ہیں۔ لیکن ان سے کوئی شخص بھی اختصاص ملک نہیں سمجھتا بلکہ صرف ایک نوعیت کا اختصاص سمجھتا ہے۔ پھر اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ اور فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ میں اختصاص ملک کا مضمون کہاں سے آ جائے گا۔ بہرحال اگر اس استدلال کو تھوڑی دیر کے لیے صحیح بھی فرض کر لیا جائے تو اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک استنباط کی ہوگی۔ اس کا یہ درجہ نہیں ہے کہ اس کو ایک رکنِ دین قرار دے دیا جائے اور جہاں اس کی کسی سے کوئی ادنیٰ قسم کی بھی خلاف ورزی صادر ہوئی تو اس کے متعلق قطعیت کے ساتھ یہ فیصلہ کر دیا جائے کہ وہ ایک حکم شرعی کا منکر ہے۔ (باقی)

سُنَّت

قُرآن حکیم کی روشنی میں

(مولانا عبدالغفار حسن صاحب)

(۱) یہ مضمون تین اجزاء پر مشتمل ہے:۔

(الف) خود قرآن سے اس امر کا ثبوت کہ قرآنی آیات کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہوا کرتا تھا جس کو اہل علم کی اصطلاح میں وحی خفی یا وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔

(ب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور سیرت طیّبہ کے ماخذ شریعت اور مدار نجات ہونے پر قرآن حکیم کی محکم شہادتیں۔

(ج) اُن آیات کی صحیح تفسیر و تاویل جن کو سنت کے انکار کے سلسلے میں بطور حجت پیش کیا جاتا ہے۔

(۲) موجودہ منکرین سنت کے منتشر افراد کا اگر ذہنی تجزیہ کیا جائے تو نمایاں طور پر ان کی تین قسمیں سامنے آتی ہیں

۱۔ وہ لوگ جن کا نظریہ یہ ہے کہ قرآن نے تمام اصول و فروع، کلیات و جزئیات کو مفصل طور پر بیان کر دیا ہے۔ شریعت کا کوئی معمولی سے معمولی مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جو قرآن میں تفصیل و وضاحت سے نہ ملتا ہو۔

۲۔ وہ جن کی رائے میں قرآن کے ساتھ تعامل امت پر بھی اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ وہ جن کا خیال یہ ہے کہ دین و شریعت کے اصول و کلیات کو تو قرآن نے بیان کر دیا ہے باقی رہیں جزئیات تو ان کے بارے میں "مرکز ملت" کے فیصلے واجب الاتباع ہونگے، مرکز ملت کو اختیار ہوگا کہ تعامل امت یا اخبار آحاد سے ثابت شدہ مسائل میں سے جسے چاہے باقی رکھے اور جسے چاہے رد کر دے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اس بنا پر نہیں کہ آپ ہمیشہ کے لیے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اللہ کے رسول تھے، بلکہ اس لیے کہ آپ اپنے زمانے کے صاحب امر تھے اور آپ کا طریقہ بعد کے اصحاب امر کے لیے صرف ایک نظیر کا درجہ رکھتا ہے جس سے وہ اپنی صوابدید کے مطابق استفادہ کرنے اور نہ کرنے میں آزاد ہیں۔